ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

فکرِ اعتزال اور معاصر شرعی مباحث کا تحقیقی جائزہ

A RESEARCH REVIEW OF THE MU'TIZILITE THOUGHT AND CONTEMPORARY LEGITIMATE DISUSSIONS

Khadija Noor

Lecturer, Government Graduate College for Women Shad Bagh, Lahore

Hafiz Ateeq Ur Rehman

Visiting Lecturer, SZIC, University of the Punjab, Lahore

Abstract:

In second Hijri year a rational theology-based group came into being as Mu'tazila. They were based and flourished in Basra. This group is famous for their logical debates and spreading ambiguities among people regarding Islamic beliefs. Many opposite groups i.e. Hanbali group got risen to encounter and rectify the harm that has been happened to basic and original Islamic beliefs. But in a specific period, this stayed the most powerful rational group and was even politically imposed upon people to accept the concepts spread by them. This paper enlightens the negative impacts of Mutazilite movement in contemporary era. In this era Mu'tazila has nothing to do with the Muslims what they used to do in past. In fact, this movement is no longer alive. But still there are some conceptual delusions which have their roots in old Mu'tazila and thus such concepts need the same level of opposition and criticism. Also, the needed measures should be adopted to save Ummah from decline.

Key Words: Mutazilite, Intellectualism, Contemporary, era

ظہور اسلام سے اب تک تقریباہر دور میں عقل اور نقل متعارض رہے ہیں۔شریعت اسلامیہ جس کا دار و مدار نقلی مصادر پر ہے اس کے لیے متصادم عقلی نظریات کا محاذ ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔دورِ جدید میں بھی بہت سے فرقے اور گروہ نظر آتے ہیں جن کی بنیاد عقل اور نظر پر ہے اور وہ انتہائی متاثر کن فکر اور استدلال سے علمی مسائل کے حل پیش کرتے ہیں۔کچھ لوگ اس کو محض اسی دور اور جدیدیت سے منسلک ایک تحریک قرار دیتے ہیں مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس سے پہلے بھی ایسے کئی افکار بارہا سامنے آتے رہے اور عقل کو ہی کل ماننے والے فرق ضالہ نے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کو مشتبہ کیا اور ان کے فروغ کی راہ میں حائل رہے۔یہ اور بات ہے کہ ہر دور میں ان افکار و خیالات کا رد پیش کیا گیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اور مسلم صحیح العقیدہ علماءاور محققین نے ان کے دلائل کی راہ میں صحیح عقائد کی دیوار کھڑی کر کے نا صرف اسلامی ذخیرہ علم کا دفاع کیا بلکہ امت کو بہت بڑے نقصان سے بچانے میں بھی کردار ادا کیااور یہ کاوشیں ہر دور کی مناسبت سے رہیں۔

معتزلہ نامی فرقہ دوسری صدی ہجری میں ایک شخص واصل بن عطا(م ۷۴۸ء) کی فکر کی بناءپر وجود میں آیااور اموی دور میں باقاعدہ ایک فرقے کی شکل میں ظاہر ہوا،عباسی دور میں پہلے تو اس نے اپنی جڑیں مضبوط کیں جبکہ اس کے آخر میں ایک بار کمزور پڑ گیااور پھر بویہی دور میں پھر سے زور پکڑ کر تمام دیگر فرق کے مقابل میں مضبوط فرقہ بن گیااور اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔اس کے نتیجے میں مسئلہ خلق قرآن،امامت کا مسئلہ اور صفات الہیہ کے انکار جیسے کئی عقائد رواج پانے لگے۔ اہل علم نے اس کا احاطہ کیا اور اس کی تردید میں کوئی کسر اٹھانہ چھوڑی،ایک تحریک کی صورت میں فرق ضالہ کا رد پیش کیا گیااور امت مسلمہ کو فکری خرابی میں پڑنے سے بچایا گیا۔کتاب وسنت سے جڑے رہنے اور اپنی اصل کو نہ چھوڑنے والے علماء کی کاوشوں سے اس فکر کا خاتمہ ہوااور اس کا جو ایک مربوط اور منظم فرقے کے طور پر اثر تھاوہ ٹوٹ گیا۔

دور جدید میں اعتزالی فکر پچھلے ادوار کی طرح تو رائج نہیں ہے مگر کئی نئی شکلوں میں عقلیت پرستی سامنے آتی رہتی ہے جس کی بنیاد فکرِ اعتزال ہی ہے۔ان کی بدولت مسلمانوں کو نظری مباحث میں الجھا کر عمل کی راہ میں روڑے اٹکائے جانے کی نت نئی ترکیبیں مفسدین کو سوجھتی رہتی ہیں۔خواہ یہ تخفیف حدیث کی صورت ہو یا آزادی و مساوات کے نعروں کی صورت، معجزات کا انکار ہو یا عقل کی بناپر قرآن وحدیث کو نئے معانی پہنانا،ان سب میں اعتزالی گمراہی کے آثار ملتے ہیں۔ نظریات کی جنگ جسے استشراقی تحریک کے لبادے میں لپیٹ کر مسلم دنیا میں جاری کیا گیا، بہت سے اہل دانش اس کی نظر ہو گئے۔مسلم عقائد پر باطل فکری حملوں کا دفاع کرتے مسلمان اہل علم مرعوبیت اور مغلوبیت کا روپ اپنائے متجددین کا روپ دھار گئے۔اپنی رائے کی بناءپر دین میں ہر طرح کی تحریف اور عقائد کی گمراہی کا شکار ہو کر خود کو کامیاب سمجھنا معتزلی فرقے کے اثرات کا ایک بھیانک روپ ہے۔ایسے میں علماءو محققین کی تیاری وقت کی اہم ضرورت بن جاتی ہے جو دین کے تمام کلیات و جزویات سے بخوبی واقف ہوں اور دور حاضر کے فتنوں کے سامنے مضبوط دیوار ثابت ہوں۔

معتزلہ کا تعارف

معتزلہ اعتزال سے نکلا ہے، لغوی معنی ہیں، کسی سے جدا ہونا، ہٹ جانا، لسان العرب میں ہے: اعتزلت القوم أی فارقتهم وتنحيت عنهم۔[1] یعنی میں ان سے جدا ہوااور ہٹ گیا ۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ﴾[2] (اور موسیٰ □ نے کہا)اگر تم میرے اوپر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾[3]

(اور جب ابراہیم ؑ ان لوگوں سے اور جن کی اللہ کے سوا وہ پرستش کرتے تھے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور اسحٰق کو یعقوب بخشے اور ہر ایک کو پیغمبر بنایا۔)

معتزلہ کی **اصطلاحی تعریف** :

"هو اسم يطلق على فرقة ظهرت فى الاسلام في اوائل القرن الثاني وسلكت منهجا عقليا في بحث العقائد الاسلامية۔"[4]

یہ ایک ایسے فرقہ کا نام ہے جو دوسری صدی کے اوائل میں ظاہر ہوا اور اس نے عقائد اسلامیہ کی بحث میں عقلی منہج اختیار کیا۔

معتزلہ کی تاریخ

مسلمانوں میں علم الکلام کا آغاز بعض اعتقادات کی عقلی اور استدلالی توجیہہ و تشریح اور اس کے رد عمل کے نتیجہ میں ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء ان کے زیر اثر اسلامی عقائد کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے اور عقلی استدلال سے مطابقت پیدا کرنے میں کوشاں رہے اور اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے ایسے اعتقادی مسائل اٹھا دیئے جو عام و معروف شرعی اعتقادات سے متصادم تھے۔ ان علماء نے اپنے موقف کی ترویج واشاعت کے لئے باضابطہ تحریک کی بناء ڈالی جو تحریک معتزلہ کے عنوان سے موسوم ہوئی۔ حضرت حسن ؓ (م ۶۷۰ء) حضرت امیر معاویہ ؓ (م ۶۸۰ء) کے حقِ خلافت سے دست بردار ہوئے تو اصحاب علی کی ایک جماعت سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو گئی اور اس کی سرگرمیاں صرف عقائد تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ حضرت حسن بصری ؒ (م ۷۲۸ء) کی مجلس میں واصل بن عطاء، رئیس المعتزلہ نے گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ہے یا نہیں؟ کا یہ جواب دیا کہ وہ علی الاطلاق مسلمان نہیں بلکہ وہ کفر اور مسلمان کی درمیانی منزل میں ہے۔ اور حضرت حسن بصری ؒ کے حلقہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنا حلقہ قائم کر لیا۔[5] شیخ محمد ابوزہرہ (م ۱۹۷۴ء) کی رائے کے مطابق: فرقہ معتزلہ واصل سے پہلے کا ہے، واصل نے اس مسلک کی تبلیغ واشاعت میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا تھا، لہذا بہت سے لوگ اسے معتزلہ کا بانی تصور کرنے لگے۔[6]

معتزلہ کے عقائد

معتزلہ قرآن میں بیان کردہ صفات کی تاویل بھی فلسفیانہ انداز میں کرتے تھے۔ معتزلہ کے پانچ اصول مشہور ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

۱۔توحید

۲۔عدل ۳۔وعدووعید ۴۔کفرواسلام کی درمیانی منزل کااقرار

۵۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر

عقیدہ **توحید** کے نتیجے کے طور پر ان کی سوچ ہے کہ صفات ذات سے غیر نہیں ورنہ تعدد قدماء لازم آئے گا۔ قیامت کے دن رویئت باری تعالیٰ محال سمجھتے تھے کیونکہ اس سے خدا کی جسمانیت اور جہت لازم آتی ہے۔ قرآن مخلوق ہے کیونکہ وہ کلام کو خدا کی صفت قرار نہیں دیتے۔[7] اللہ کی صفت **عدل** کے نتیجے کے طور پہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے اور خدا خالق افعال نہیں ہے، یہ اس قدرت کے سبب ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کو ودیعت کی ہے اور ان کے لئے خلق کی ہے۔ وہ عطا کرنے والا ہے اور اسے یہ قدرت تامہ حاصل ہے کہ جو کچھ اس نے عطا کیا ہے اسے سلب کر لے۔[8]

معتزلہ کے عقیدے کے مطابق **وعدہ وعید** لا محالہ وقوع پذیر ہوں گے۔ خداوند کریم نے جو ثواب کا وعدہ کیا اور سزا کی جو دھمکی دی وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس نے مخلصانہ توبہ کی قبولیت کا جو وعدہ کیا ہے وہ بھی پورا ہو گا۔ جو نیک کام کرے گا جزا پائے گا اسی طرح بدکار کو سزا دی جائے گی۔ کبائر بلا توبہ معاف نہیں ہوتے نہ نیکی کرنے والا جزا سے محروم رہتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد فرقہ مرجیہ کی تردید کرنا تھا، جن کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے طاعت وعبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔[9]

ایمان خصال خیر کا نام ہے اور مومن ایک توصیفی نام ہے یہ نام کسی ایسے شخص کا نہیں رکھ سکتے جس میں خصال خیر نہ ہو۔ لہذا فاسق کو ہم مومن نہیں کہہ سکتے لیکن اسے علی الاطلاق ہم کافر بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ کلمہ شہادت کا قائل ہے اور کچھ اعمال خیر کو بھی بجالاتا ہے، لیکن فاسق اگر مرتکب کبائر ہو اور توبہ کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ مزید یہ کہ آخرت میں بس دو فریق ہوں گے؛ جہنم اور جنت والے۔ البتہ ایسے (فاسق) شخص کو یہ رعایت دی جائے گی کہ اس کا عذاب کچھ کم کر دیا جائے گا اور اسے کافروں سے ایک درجہ اوپر رکھا جائے گا (المنزلہ بین المنزلتین)۔ مرتکب کبائر کے لئے مسلم کا لفظ اس لئے بولا جائے گا تاکہ وہ ذمیوں اور بت پرستوں سے ممتاز رہے نہ کہ اس کی تعظیم ثناء اور مدح کے لئے۔[10]

ان کے نزدیک امر بالمعروف ونہی عن المنکر سب مومنوں پر واجب ہے تاکہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دیا جائے۔ اس کام کے لئے معتزلہ نے حجت وبرہان، سیف وسنان، قوت سنان ہر طرح کا حربہ اختیار کیا۔ معتزلہ عقل کو ترجیح دیتے تھے، اشیاء کے حسن وقبح کا فیصلہ از روئے عقل کیا کرتے تھے۔ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ خدا سے وہی بات صادر ہو سکتی ہے جو اپنے اندر صلاح کا پہلو رکھتی ہو۔ لہذا اصلاح اس کے لئے واجب ٹھہری کیونکہ اللہ جو کچھ بھی کرے گا وہ صالح ہے، یہ محال ہے کہ وہ کوئی غیر صالح عمل کرے۔[11]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ان کی تمام سرگرمیوں کا جائزہ لینے پہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو ہی چیزوں کے حریص تھے اور ان کے سب معتقدات کا محور یہی دو چیزیں تھیں:

1. انتصار عدالت الٰہیہ
2. دفاع وحدانیت الٰہی[12]

معتزلہ کا عروج اور سیاسی پشت پناہی

معتزلہ کا ظہور عصر اموی میں ہوا لیکن انہیں عروج عباسی دور میں حاصل ہوا۔ مامون (م ۸۴۲ء)، معتصم (م ۸۴۲ء) اور واثق (م ۸۴۷ء) کے دور میں انہیں حکومتی سرپرستی حاصل ہو گئی، اور اپنے عقائد ظلم و جبر کے ذریعے منوانے کی کوشش کی۔[13] معرفت مسائل میں معتزلہ بالکل عقلی انداز اختیار کرتے تھے، نص پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ بجز اس صورت کے کہ موضوع کلام کوئی حکم شرعی ہو یا حکم شرعی سے اس کا کوئی تعلق ہو۔

معتزلہ کے ذیلی فرقے

یہ فرقہ بہت سے ذیلی فرقوں میں بٹ گیا۔[14] یہ کل بائیس فرقے ہیں، جن میں سے دو فرقے غلو کرتے ہیں باقی بیس قدریہ ہی ہیں۔[15] ان تمام فرقوں کے متفقہ عقائد یہی ہیں کہ اللہ کی صفات کو وہ اللہ کے اسماء کہتے، صفات نہیں مانتے تھے۔ جب انہوں نے صفت کلام کا انکار کر دیا، تو اس سے باری تعالیٰ کے متکلم ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ معتزلہ کے مطابق کلام اللہ کی پیدا کردہ ہے اور قرآن خدا کی مخلوق ہے۔ قرآن کو غیر مخلوق ماننے سے تعدد قدماء لازم آتا ہے نیز قباحت یہ آتی ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرح قرآن بھی قدیم ہے۔ قرآن کو غیر مخلوق قرار دینے کا عقیدہ عیسائیوں کے اس نظریے سے ہم آہنگ ہے کہ مسیح خدا کی مخلوق نہیں بلکہ کلمۃ اللہ ہیں۔[16]

دور جدید اور اس کے فکری محاذ

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی جبلت میں فکری ارتقاء شامل ہے اور اسی کی بدولت ہر لمحے فکری تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مگر اس فکری ارتقاء میں عقل کو وحی کے تابع رکھنا ضروری ہے جبکہ بہت سے محاذ دور حاضر میں ایسے ہیں کہ فکر کو غلط بنیادوں پر تبدیل کیا جاتا ہے۔ نظریاتی حملے اور فکری شورش اس دور کا سب سے بڑا محاذ ہے اور ان کی حفاظت کے لیے ہر لحہ کوشش کی ضرورت ہے۔[17] ان نظری مسائل میں سے چند اہم ترین درج ذیل ہیں:

فی زمانہ الحادی افکار

اس دور کی سب سے توجہ طلب جہت الحادی افکار کا فروغ ہے۔ ملحدین کی لکھی کتابیں اور ان کے تراجم کی دستیابی کو تعلیمی اداروں میں یقینی بنایا جا رہا ہے۔ اداروں میں اس طرح کے خطابات کیے اور کروائے جاتے ہیں کہ نئی نسل کے دماغ میں مذہب کو لے کر تشکیک کا بیج نمو پاتا ہے اور وہ خدا سے اور مذہب سے باغی ہو کر زندگی سے مایوس ہوتے ہیں اور اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

الیکٹرانک میڈیا کا کردار

دوسرا اہم نظریاتی محاذ میڈیا ہے جس میں ٹی وی اور اخبار کے ذریعے کئی متجددین من مانی تاویلات اور نیا نقشہ پیش کر کے سنت اور اس کے ماخذ کے حوالے سے ذہنوں میں تشکیک کا بیج بونے میں سر گرم ہیں۔ مارننگ شوز، ٹاک شوز، انٹرویوز ڈراموں، فلموں اور کئی پروگرامز کی مدد سے مغربی افکار، آزادی، مساوات، حقوق نسواں جیسے افکار کا پرچار کیا جارہا ہے جس سے اسلام کی روح پہ توزد پڑتی ہی ہے، نوجون طبقے کی ذہن سازی بھی ہو رہی ہے۔ جس کی بدولت وہ عجب الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں، دین سے باغی اور خدا سے بیزار ہو جاتے ہیں اور مایوسی کا شکار ہو کر نقصان اٹھاتے ہیں۔[18]

سوشل میڈیا

بہت سے لوگ مذہبی سکالرز کا روپ اوڑھے دین کی بالکل نئی شکل دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور لوگوں کو بالکل ہی ایک نئی فقہ کا جھانسا دے کر عالم بنے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اکثریت سوشل میڈیا پر عوام سے رابطہ استوار کرتے ہیں، ان کو اپنی باتوں سے مرعوب کرتے ہیں اور ہر گھر تک اپنی سوچ کا پرچار کرتے ہیں۔

یہ صرف چند نظریاتی محاذ جو اس وقت عروج پر ہیں ان کی بنیاد عقلیت ہی ہے ۔ان تمام محاذات کا بیک وقت موجود ہونا ہمارے علماء و مشائخ، قائدین اہل سنت و عمائدین ملت کے کندھوں پر فرائضِ منصبی کا بوجھ بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے۔[19]

معتزلہ کے اثرات

عصر حاضر میں Intellectualism، Rationality اور Logical Approach کی بات جہاں بھی کی جائے اس کو پذیرائی ملتی ہے۔[20] اس میں بظاہر کوئی قباحت بھی نہیں کہ انسان عقل و سمجھ کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا قائل ہو۔ مگر جہاں پر بات شریعت اسلامیہ کی آتی ہے تو یہ عقل و نقل کا ایسا حسین امتزاج ہے جس میں نقل کو برتری حاصل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہدایت اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ ہی افعال و اعمال کی بنیاد ہو سکتے ہیں۔ عقل کی حیثیت ایک چراغ رہ گزر کی سی ہے جس پر مکمل اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔ اگر نقل کو چھوڑ کر عقل پر کامل بھروسہ کیا جائے تو سب کے فہم کے اختلاف کی بدولت فساد اور رخنہ انگیزیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔[21]

اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو چند اہم ترین اور قابل ذکر اثرات جو معتزلہ کی تحریک کے سامنے آئے اور جدید دور کے ساتھ ان کا تعلق ہے، درج ذیل ہیں:

مغربی افکار کا رعب

معتزلہ کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے عقل سے توقع کی کہ وہ دین کے اسرار کو واشگاف طور پر بیان کرے اور عقائد مابعد الطبیعیات کی پیچیدگیوں کو احسن طریقے سے حل کرے، جبکہ عقل کا یہ کام نہیں تھا اور اس کو صرف مادی کائنات سے سروکار تھا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

برصغیر میں معتزلہ کی اس عقل پرستی کا اثر اول اول سرسید احمد خان (۱۸۹۸ء) پر ہوا کیونکہ معتزلہ کو افکار یونانی کا سامنا تھا اور سرسید کو مغربی نظریات سے واسطہ پڑا۔ معتزلہ نے قرآنی تشریحات کی ایسی تاویلات کیں جو ان یونانی افکار کے متصادم نہ ہوں۔ محمد عارف اعظمی معتزلہ اور سرسید کی غلطی کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور اصل سرسید کا نظریہ عقل و فطرت ہو یا معتزلہ کا انداز فکر و تحقیق دونوں کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے نئے دور کی تحقیقات اور نتائج کو قطعی مان کر مذہب کو اس کے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ مذہب کی باتوں کو ہی دینی تسلیم کر کے ان کی روشنی میں حکماء و فلاسفہ کے اقوال و نتائج کا تجزیہ کرنا چاہتے تھے۔"[22]

فتنہ انکارِ حدیث

قدیم و جدید تمام منحرفین کا عقل پر اعتماد کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر اتفاق ہے کہ جب تک حدیث و سنت کو درمیان سے ختم نہ کیا جائے اس وقت تک من مانی تاویلات ممکن نہیں اس لیے کہ احادیث کے بغیر قرآن مجید کی تفسیر ممکن ہی نہیں لہٰذا معتزلہ نے ان تمام احادیث کا انکار کر دیا جو ان کے اصولوں کے متصادم تھیں۔ انکار حدیث کا فتنہ جو اسلامی تاریخ میں نظر آتا ہے وہ بعض حضرات کے نزدیک سب سے پہلے معتزلہ سے ہی شروع ہوا۔ معتزلہ وہ ہیں جنہوں نے عقل کا سہارا لے کر نقل کا انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کو انکارِ حدیث کے بانی قرار دیا جاتا ہے۔[23] امام شافعی (م ۸۲۰ء) نے الاُم میں ایک ایسے گروہ کا ذکر کیا ہے جو حدیث کی تمام اقسام یا تمام احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ تو امام صاحب نے ان کے خلاف پورا باب باندھا ہے، امام شافعی کا سن وفات ۲۰۵ھ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ فتنہ بہت پرانا ہے۔[24]

برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کی بنیاد عبداللہ چکڑالوی نے رکھی۔ [25] اور اس کی آبیاری سرسید احمد خان (م ۱۸۹۸ء) نے کی۔ سرسید احمد خان نے بڑے منطقی انداز میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دینی متن یعنی قرآن و حدیث کو nature کے اصولوں کے مطابق پرکھا جائے۔ اگر وہ اس کے مطابق ہے تو لے لیا جائے، نہیں ہے تو نہ لیا جائے۔ چنانچہ سرسید احمد خان نے مقالات سرسید میں لکھا ہے کہ وہ بہت سی باتیں جو مسلمانوں میں حدیث کے نام سے مشہور ہیں، ہم انہیں تسلیم نہیں کرتے۔ سرسید کے نظریہ حدیث کے متعلق محمد امین زبیری اور مظہر مہدی کا خیال ہے کہ سرسید جدید متکلمین مذہب کے دفاع کی تگ و دو میں عدمیت کی منزل تک پہنچ کر روایت کی کلی طور پر نفی کر دیتے ہیں اور اس ضمن میں راوی کو رہبر بنانے کی بجائے عقل کو راہنما بناتے ہیں۔[26]

اس کے بعد انکار حدیث کے اس فتنے کو ایسے لوگوں کا سہارا ملتا گیا جو اپنے متقدمین کی نسبت زیادہ علمی شخصیات تھیں۔ چنانچہ ایک صاحب گزرے ہیں جن کا نام مولانا محمد اسلم جیراج پوری (م ۱۹۵۵ء) ہے جو کہ اچھی نفسیات پڑھے ہوئے تھے، ان کے ہاں انکارِ حدیث کی بحث کی ایک نئی جہت سامنے آئی، اور وہ بہ نسبت باقی اعتراضات کے ایک حد تک علمی ہیں۔ (باقیوں کے اعتراضات تو مضحکہ خیز ہیں۔)[27]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

پھر اس فتنے کو تحقیقی اور تصنیفی رنگ دینے والوں میں اور متقدمین کی باتوں کو اعلیٰ اسلوب اور اعلیٰ ادبی اسلوب میں لکھنے کا سہرا غلام احمد پرویز (م۱۹۸۵ء) کے سر ہے۔ یہ اسلم جیراج پوری کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کا ادارہ طلوع اسلام پہلے کراچی میں تھا، پھر لاہور منتقل ہو گیا۔ ان کا ایک رسالہ طلوع اسلام نکلتا تھا جس میں انکارِ حدیث کے مضامین چھپتے رہتے تھے، یہ رسالہ تاحال جاری ہے۔[28] غلام احمد پرویز کے افکار کے مطابق قرآن میں اللہ اور رسول کا ذکر مرکز وملت کی حیثیت سے آیا ہے سو اسی سے تعبیر کیا جائے گا۔[29]

مفتی رشید احمد لکھتے ہیں: ''عبداللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مجروح کیا، مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دَبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقانِ شمعِ رسالت ﷺ کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی نگران رسالہ 'طلوعِ اسلام' اس آتش کدہ کی تولیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمربستہ ہیں۔''[30]

چونکہ ان حضرات کے دلائل مختلف نوعیت کے ہیں یعنی ہر ایک کے اپنے دلائل ہیں۔ اس لیے ہمارے پاس کوئی منظم مباحث نہیں ہیں جہاں ان کے دلائل اکٹھا کر کے کہا جاسکے کہ یہ ان کے دلائل ہیں بلکہ ہر ایک کے اپنے ہی دلائل ہیں۔ سو یہ پوری بحث تو بہت طویل ہے، یہاں ان مباحث کے لیے چند اہم مصادر کی طرف رہنمائی مقصود ہے:

سب سے پہلے مولانا اسلم جیراج پوری کے دلائل جو کہ بہت علمی نوعیت کے ہیں ان کا تذکرہ نام لئے بغیر مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے ترجمان السنۃ کے مقدمے میں کیا ہے۔[31] دوسری کتاب معارف الحدیث از مولانا منظور نعمانیؒ ہے۔ یہ دونوں کتب برصغیر میں حدیث کی امہات کتب کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے لیے تصنیف کی گئیں تاکہ لوگوں کا براہ راست رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے تعلق رہے۔ بیسویں صدی میں عبدالودود جو کہ غلام احمد پرویز کے حلقے سے تعلق رکھتے تھے، ان کی اور مولانا مودودیؒ (م۱۹۷۹ء) کی حدیث کی حیثیت کے حوالے سے خط وکتابت ہوتی رہی اور یہ بحث جماعت اسلامی کے رسالہ ترجمان القرآن میں چھپتی رہی اور پھر ترمیم واضافے کے ساتھ '' سنت کی آئینی حیثیت ''کتاب کی صورت منظر عام پر آئی۔ مولانا مودودیؒ نے خاص طور پر غلام احمد پرویز کے دلائل کو اُس میں جمع کیا ہے۔[32]

عالم عرب کے اندر بھی کچھ منکرین حدیث پیدا ہوئے تو ان منکرین حدیث کے لیے ڈاکٹر مصطفی السباعی کا رسالہ السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي بہت اہم ہے اور چونکہ برصغیر اور عرب کے منکرینِ حدیث کے دلائل عقلی ہیں تو اس لحاظ سے اس رسالے میں بھی فتنہ کے رد کے لیے بہت اچھے جوابی دلائل ملتے ہیں۔[33]

غلام احمد پرویز کے بعد اس مکتبہ فکر (انکارِ حدیث) کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس کی سرپرستی کر سکے۔ اس کے بعد جو لوگ اب تک وابستہ نہیں وہ پہلوں کے دلائل کو دہراتے ہیں اور یہ خود کے لیے اهل القرآن کا لقب استعمال کرتے ہیں حالانکہ أهل القرآن یہ نہیں ہیں بلکہ وہ تو وہ ہیں جو قرآن کی تشریح کے لیے مصدرِ اوّل قرآن کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

مانیں جبکہ یہ صرف انکارِ حدیث کے چھپے سے خود کو بچانے کے لیے کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم تو قرآن کو اہمیت دیتے ہیں۔ قرآن بہت اہم ہے، جب کوئی قرآن کی اہمیت انکارِ حدیث کی نیت سے بیان کرے تو یہ بالکل اسی طرح سے ہے جیسے جب علی ابن طالب خطبہ دیا کرتے تو خوارج نعرہ لگایا کرتے تھے ان الحکم إلا لله ۔ تب علی ابن طالب جواب دیتے کہ یہ کلمہ (نعرہ) تو حق ہے مگر اس سے مراد غلط لیتے ہو۔ أنَّ الحَرُورِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ، وَهو مع عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عنْه، قالوا: لا حُكْمَ إلَّا لِلَّهِ، قالَ عَلِيٌّ: كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بهَا بَاطِلٌ۔[34] سو منکرین حدیث جب قرآن کی اہمیت کے تحت خود کو أهل القرآن کہیں گے تو کلمہ تو حق ہے مگر ان کی مراد (انکارِ حدیث) باطل ہے۔

تفسیر قرآن کے انحرافی رجحانات

صحیح قرآن فہمی اور درست تفسیر قرآن کے لیے وہ کون سے اصول وضوابط ہیں جو اساس کا کام دیتے ہیں؟ مختصراً یہ ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے اور اگر کوئی چیز قرآن مجید سے نہ مل سکے تو سنت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ حدیث وسنت قرآن مجید کی توضیح وتشریح اور تفسیر میں مستند ذریعہ کی حیثیت کھتی ہیں اس لیے کہ قرآن میں صلوۃ وزکوۃ کا حکم ہے تو اس کی جملہ تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں۔ قرآن اور حدیث کا تعلق ایک مسلمہ حقیقت ہے، ایک اگر متن ہے تو دوسرا اس کی تشریح وتوضیح ہے، چنانچہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ حدیث وسنت کے مادہ تفسیر قرآن میں جو چیز معاون کی حیثیت رکھتی ہے وہ اقوال صحابہ ہیں۔

بہت سے اسباب ومحرکات ہیں جو تفسیر بالرائے المذموم کی بنیاد ہیں، ایک اہم ترین اور بنیادی سبب معروف اصول تفسیر کو چھوڑ کر خود ساختہ اصولوں کی پیروی ہے جس کا لازمی نتیجہ تحریف قرآن کی صورت میں نکلتا ہے۔

جس طرح معتزلہ عقل کو حاکم مان کر قرآن وحدیث پر اس کی برتری ثابت کرتے ہیں اور جو چیز عقل کے مطابق ہو اسے قبول کرتے اور جو اس کے مخالف ہو اس کی تاویل یا تردید کرتے ہیں ،بعینہ برصغیر کے انحرافی منہج کے نمائندہ افراد بھی عقل کی بنیاد پر حدیث وسنت کا انکار کرتے ہیں۔ امت میں سب سے پہلے تجدد کی لہر معتزلہ کی طرف سے ہی آئی۔ اس کے بعد قریباً بارہ سو سال تک یہ فتنہ دبا رہا مگر پھر برصغیر میں تجدد کی تحریک کے بانی سرسید احمد خان (م۱۸۹۸ء) ہیں جن کو نیچری کہا جاتا ہے، جن کی تحریر کردہ تفسیر قواعد لغویہ اصولیہ سے انحراف کی بہت بڑی مثال ہے۔ سرسید نے ۱۸۷۷ء میں تفسیر لکھنے کا آغاز کیا، ان کی تفسیر کا نام تفسیر الھدیٰ والفرقان ہے۔ ان کی زندگی میں ہی ۶ جلدیں شائع ہوئیں، ساتویں جلد کے مسودے موجود تھے جو کہ ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئے۔ سرسید نے اساسیات دین کا انکار کیا اور ہر اس چیز کا انکار کر دیا جو عقل کے دائرہ سے باہر تھی۔ سرسید احمد خان نے اپنے فہم کے مطابق جدید علم الکلام کے مطابق اسلامی عقائد کی تشریح کی اور وہ بنیادی عقائد کی راہ سے منحرف ہو گئے۔ اور ان کے اس نئے رجحان نے برصغیر کے کئی نئے مصنفین ومفکرین کے لیے فکری بے رہروی کا دروازہ کھول دیا، جس کی بدولت برصغیر کے مسلمانوں میں دین اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں شکوک وشبہات کی لہر دوڑ گئی۔[35] اس دور کے علماء نے سرسید کا بھرپور تعاقب کیا جن میں ابوالنصر مولانا ناصر الدین محمودؒ اور مولانا محمد علی مراد آبادیؒ شامل ہیں۔[36]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

غلام احمد پرویز (م۱۹۸۵ء) نے بھی اپنی سوچ اور عقائد کے تحت انحرافی نہج پر تفسیر اور مضامین قرآن لکھے۔ان کی مشہور تالیفات مطالب الفرقان، مفہوم القرآن، معارف القرآن اور مضامین قرآن ہیں۔

ایک اور نام خاص طور پر انکار حدیث اور قواعد لغویہ اصولیہ سے انحراف کرنے میں نمایاں ہے اور وہ رحمت اللہ طارق ملتانی (م:۲۰۰۳ء) کا ہے۔انہوں نے اب تک کے تمام منکرین کی سوچ کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے،ان کی مشہور تالیفات تفسیر برہان القرآن، تفسیر میزان القرآن اور منسوخ القرآن ہیں۔

تیسرا مکتبہ فکر فراہی مکتبہ فکر ہے جس کے بانی مولانا حمید الدین فراہی (م۱۹۳۰ء) ہیں، یہ استخفاف حدیث کرنے والے لوگ ہیں۔مولانا فراہی نے تین رسائل لکھے: دلائل الانتظام، اسالیب القرآن، التکمیل فی اصول التاویل۔اس مکتب کے تین افراد نے تفاسیر لکھیں: حمید الدین فراہی نے نظام القرآن اور تأویل الفرقان بالفرقان کے نام سے، مولانا امین احسن اصلاحی (م۱۹۷۷ء) نے تدبر قرآن کے نام سے اور جاوید احمد غامدی نے البیان کے نام سے ترجمہ اور مختصر تفسیر تالیف کی البتہ یہ ابھی ایک ہی جلد ہے۔[37]

مصر میں آزاد عقلیت اور تجدید کے زیر اثر جو تفسیری مواد سامنے آیا اس میں شیخ محمد عبدہ (م۱۹۰۵ء) کی تیسویں پارے کی تفسیر شامل ہے جس کو ان کے شاگرد سید محمد رشید رضا (م۱۹۳۵ء) نے جاری رکھا اور یہ رسالہ المنار میں شائع ہوتی رہی۔ چنانچہ اس کا نام تفسیر المنار ہی رکھا گیا۔اس مکتب کے دیگر نام محمد مصطفی الفراغی، احمد مصطفی المراغی، محمد فرید واحدی، محمود شلتوت، عبد العزیز جاویش، اور عبد القادر المغربی وغیرہ شامل ہیں۔

سید قطب (م۱۹۶۶ء) نے اس فکری انحراف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: "وإني لأعجب لسذاجة المتحمسين لهذا القرآن الذين يحاولون أن يضيفوا إليه ما ليس منه، وأن يحملوا عليه ما لم يقصد إليه، وأن يستخرجوا منه جزئيات في علوم الطب والكيمياء والفلك وما إليها.. كأنما ليعظموه بهذا ويكبروه.إن القرآن كتاب كامل في موضوعه، وموضوعه أضخم من تلك العلوم" [38] قرآن سے جذباتی تعلق رکھنے والے ان لوگوں کی سادگی پر مجھے بڑی حیرانی ہوتی ہے، یہ لوگ قرآن میں وہ کچھ شامل کرنا چاہتے ہیں جس کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں، یہ قرآن سے وہ کہلوانا چاہتے ہیں جو اس کے مقاصد سے باہر ہے اور یہ لوگ قرآن مجید سے طب، کیمسٹری، فلکیات وغیرہ کی تفصیلات اس انداز میں کشید کرتے ہیں۔ جیسے شاید ان کے استنباطات سے قرآن کی عظمت میں اضافہ ہو رہا ہو۔لاریب قرآن مجید اپنے موضوع پر خود ایک کامل دستاویز ہے،اس کا موضوع ان تمام علوم سے کہیں عظیم تر ہے۔

جدت و عقلیت پرستی کا رجحان

عصرِ حاضر میں جدت پسندی کے درج ذیل رویے سامنے آتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اول: اس رویے کے حامل افراد مغربی فکر سے مرعوب ہو کر اسلامی ذخیرہ علم کو کم تر تصور کرتے ہیں اور نئی نئی تعبیرات کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہ افراد یہ ثابت کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں کہ تمام جدید علوم دراصل اسلامی علوم ہی کا شاخسانہ ہیں۔ حتیٰ کہ مغربی افکار و خیالات کا تعلق بھی اسلام کی تاریخ سے جوڑنے کی ہمہ وقت کوشش ہوتی ہے۔ یہ اسلامائزیشن کا نعرہ لگاتے ہیں اور مغربی علوم کا تعلق اسلام سے جوڑنے کی خاطر ہر شعبہ علم سے مثالیں ڈھونڈتے ہیں اور بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ خواہ سائنس ہو یا معاشرتی اقدار و افکار، بینکاری کا نظام ہو یا فلسفہ و کلام غرض ہر طرح سے متجدد طبقے کو ہی صحیح راہ پر قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کو ہی اسلام کے علمبردار کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

دوم: یہ تجدید کی وہ صورت ہے جس میں مغربی افکار کی اسلامائزیشن کے بجائے اسلامی اقدار و افکار کی westernization پر زور دیا جاتا ہے۔ اس رویے کے مطابق افراد کار یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اب تک موجود قرآنی تشریحات و تعبیرات اور دینی علوم اپنے اپنے دور کے حساب سے تھیں۔ چونکہ اب دور بدل گیا ہے تو تقاضے بھی بدل گئے ہیں اس لیے پرانی توضیحات اب قابل قبول نہیں ہو سکتیں اور ان پر عمل بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا اب اس دور کے مطابق اپنی سمجھ بوجھ اور جدید افکار سے منسلک کر کے تعبیرات ہوں گی۔ اس فکر کے حامل افراد میں سر سید کا نام سر فہرست ہے۔ [39]

سوم: ایک اور رویہ جو جدیدیت کی بدترین شکل میں سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ دین یا مذہب ہر کسی کا نجی معاملہ بتایا جاتا ہے۔ لادینیت کو فروغ دیا جاتا ہے اور اس سوچ کو پروان چڑھایا جاتا ہے کہ نا صرف انفرادی زندگی بلکہ اجتماعی معاملات سے بھی مذہب کو الگ کر دینا چاہیے۔ اس رویے کا اظہار ایسے افراد کی جانب سے ہوتا ہے جو جمہوریت اور حقوقِ انسانی کے دعوے بلند کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد شاطرانہ مہارتوں کے ساتھ بہت سے جدید اور دین متصادم افکار کو مذہب سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ حقیقت میں اس کا مذہب سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا۔ [40]

متجددین کے اوصاف

درج بالا تینوں متجدد گروہوں میں ایک قدر مشترک ہے کہ عقل کو یا تو وحی سے بلند مقام دیا جائے یا کم از کم وحی کے برابر لا کھڑا کیا جائے اور اسی درجہ کی اہمیت اور فضیلت عقل کو حاصل ہو جیسا وحی تقاضا کرتی ہے۔ عقل پرستی کا یہ رجحان تاریخ میں معتزلہ سے زیادہ کسی گروہ میں دکھائی نہیں دیتا۔ لہٰذا اس کج فہمی کی بنیاد دراصل فکر اعتزال ہی ہے اور ان طبقات کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. وحی کے بجائے عقل اور قیاسات کو ترجیح دینا اور ان کی بنیاد پر نظریات گھڑنا۔ مزید یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ قرآنی تعبیرات ہر شخص کر سکتا ہے اس کے لیے محض عقلی توجیحات کی ضرورت ہے، نقلی فہم کا کوئی کردار نہیں۔

2. حجیت حدیث پر زد اور حدیث میں تشکیک اور تخفیف کا رویہ اختیار کرنا۔ صرف اور صرف قرآن کو اہمیت دینے کی بات کرنا۔
3. اسلام کی من گھڑت تشریح کرتے ہوئے صحابہ کرام □ اور سلف صالحین □ کے منہج سے انحراف برتنا۔
4. اپنے انوکھے نظریات اور عقائد کی اشاعت کے لیے بڑے اداروں اور نشستوں پر براجمانی اور حکومتی حمایت حاصل کرنا۔
5. من گھڑت نظریات کی بنیاد پر وعظ و تقاریر کرنا اور عملی تطبیقات کو غیر اہم سمجھنا۔

مزید یہ کہ ایسے افراد جب اپنے نظریات کی راہ میں کسی کو آڑے آتے دیکھیں تو الزام تراشیوں کا سہارا لیتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات دراصل فلسفیوں سے مستعار لی گئی ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ علماء اور ماہرین پر طعن کرتے ہیں اور نقلی علوم کی اہمیت کم سے کم تر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[41]

نتائج

اعتزالی تحریک کے اثرات کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ:

جب کبھی اسلام میں نئے نظریات کو داخل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ بالعموم اس دور کے غالب رجحانات سے ذہنی شکست خوردگی کا نتیجہ ہوتا ہے خواہ یہ نظریات فلسفہ سے تعلق رکھتے ہوں یا علم الکلام اور سائنس، ان نظریات کو تسلیم کروانے کے لیے عقل کی برتری اور تفوق کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ عقل کی برتری و تفوق اعتزال کے عقیدہ کا اہم جزو تھا۔

ان نظریات کی پہلی زد احادیث اور بالخصوص خبر واحد پر پڑتی ہے جن میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے انہیں ظنی اور نا قابل اعتماد قرار دیا جاتا ہے کیونکہ یہی احادیث نئے نظریات کو اسلامی عقائد میں داخل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں۔

حدیث کی حجیت سے انکار کے بعد قرآن کی من مانی تاویلات کی گنجائش نکل آتی ہے لیکن یہاں بھی متضاد نظریات کے باعث یہی صورت حال ہوتی ہے کہ اختلاف ہوتا رہتا ہے، کسی ایک نظریے پر متفق ہونا محال ہے۔ حدیث کی حجیت سے انکار اور قرآن کی تاویل لازم و ملزوم ہوتی ہے۔ جو شخص حدیث سے انکار کرے گا تو وہ لازمی طور پر قرآن کی کوئی نئی توجیہ بھی پیش کرے گا، جو اس کے خیالات و نظریات کی آئینہ دار ہو گی۔ نیز یہ توجیہ حقیقتاً قرآن کی تحریف ہو گی لہٰذا احادیث کی محبت سے انکار کے اصلی محرک وہ عجمی تصورات و نظریات ہوتے ہیں جنہیں کوئی مسلمان اسلامی نظریات سے زیادہ سائنٹیفک اور برتر سمجھتا ہے۔[42]

خلاصہ بحث

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

دیکھا جائے تو ہر دور اپنے انداز میں کئی افکار اور نظریات کا محاذ لیے ہوتا ہے۔ بہت سے باطل اور موضوع افکار ہر دور میں جنم لیتے ہیں، پروان چڑھتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ دم توڑنے لگتے ہیں، جیسا کہ جب فلسفہ و علم الکلام کا دور تھا تو اسی کا رجحان ہر طرف ہونے لگا، پھر معتزلہ کے عقائد رواج پانے لگے اور بڑے عرصے تک رائج رہے حتیٰ کہ اہل علم حضرات اس کی راہ میں آنے کی پاداش میں سزائیں بھگتتے رہے۔ اس دور میں یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسلام کی نظریاتی اساس ختم ہو کر رہ جائے گی اور اگر ان عقلی و منطقی فتن کا رد علماء کرام کی طرف سے نہ کیا جاتا تو واقعی ایسا ہوتا اور ایک بہت بڑا علمی و نظریاتی نقصان ہو جاتا۔

دور حاضر میں فتنے نت نئی اشکال میں سامنے آتے ہیں، ان میں لادینیت، حقوق نسواں، قومیت اور آزادی رائے وغیرہ اہم ہیں، مگر ان تمام کی بنیاد اعتزال و خوارج جیسے فتنوں کی نسبت کمزور ہے کیونکہ وہ باقاعدہ فکر کے تحت وجود میں آنے والے فتنے تھے جن کی سرپرستی کے لیے لوگ موجود تھے۔ مگر آج کے دور میں بغیر بنیاد اور بغیر کسی منہج کے افکار کا فروغ ہوتا ہے۔ بہر حال منظم طور پر ان فتنوں اور افکار کی سرکوبی کی ضرورت موجود رہتی ہے۔ فتنہ اعتزال ہو یا کوئی بھی اور فکری یلغار اس کے دیرپا اور دوررس اثرات اذہان و قلوب پر ثبت ہو جاتے ہیں اور آنے والے کئی ادوار اور کئی اگلی نسلیں ان سے متاثر ہو کر صحیح منہج کھو بیٹھتی ہیں۔ لہذا علمائے امت اور افراد کار کو ہمہ وقت عقائد اسلامیہ کے دفاع کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ علوم کے فروغ میں جاں نثاری کا جذبہ رکھنا چاہیے اور جتنے بھی جدید علوم منظر عام پر آئیں ان کا مکمل محاکمہ کرتے ہوئے اسلام کی حقانیت اور عقائد اسلامیہ کے مخالف کسی بھی سوچ کا معقول اور مدلل انداز میں جائزہ پیش کرنا چاہیے تاکہ ذہنی اور فکری شفافیت برقرار رہے۔

حوالہ جات

[1] ابن منظور، جمال الدین ابن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، لبنان، س۔ن، ج ۱، ص ۴۴۰

[2] الدخان ۴۴:۲۱

[3] مریم ۱۹:۴۹

[4] احمد بن علی المقریزی، المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار، مکتبہ الثقافۃ الدینیۃ، قاہرہ، ج ۲، ص ۲۴۵

[5] محمد حنیف ندوی، عقلیات ابن تیمیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۹۵

[6] شیخ محمد ابو زہرہ، اسلامی مذاہب، مترجم: غلام احمد حریری، مکتبہ ملک سنز، فیصل آباد، ۲۰۱۷ء، س ۲۲۵

[7] شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۹ء، ج ۱، ص ۳۰

[8] احمد نگری قاضی عبد رب النبی، دستور العلماء أو جامع العلوم في اصطلاحات الفنون، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ج ۱، ص ۹۱

[9] احمد نگری قاضی عبد رب النبی، دستور العلماء أو جامع العلوم في اصطلاحات الفنون، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ج ۱، ص ۹۱

[10] ابو منصور، عبد القاہر بن طاہر، الفرق بین الفرق، دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، ۱۹۷۷ء، ص ۹۴

[11] ابو الفتح محمد الشہرستانی، ملخص از الملل والنحل، مترجم: پروفیسر علی محسن صدیقی، مکتبہ قرطاس، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۷۹۔۸۱

[12] زہدی حسن جار اللہ، تاریخ معتزلہ، مترجم: رئیس حسن جعفری، ادب منزل، پاکستان چوک کراچی، ۱۹۰۱ء، ص ۴۰

[13] شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ج ۲، معارف اعظم گڑھ، ضلع گرید، ۱۹۴۹ء، ص ۳۷۹

[14] اسلامی مذاہب، ص ۲۲۹

[15] الفرق بین الفرق،، ص ۹۳

[16] اعجاز الحق اعجاز، معتزلہ کا فلسفہ، چند پہلو، مکالمہ، تاریخ اشاعت: ۱۰ دسمبر ۲۰۱۶ء، https://www.mukaalma.com/710/، تاریخ استفادہ: ۲۴ اپریل ۲۰۲۴ء

[17]ڈاکٹر حافظ محمد رشید۔ علم کلام، فلسفہ تاریخ اور دور جدید کی فکری تحدیات، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، ج۲۸، شمارہ۷، جولائی ۲۰۱۷ء

[18]موجودہ دور کے فکری چیلنجز اور فضلاء کی ذمہ داری، سنی آنلائن، تاریخ اشاعت ۳۰ جنوری ۲۰۱۶ء، https://sunnionline.us/urdu/2016/01/6645/، تاریخ استفادہ: ۲۶ اپریل ۲۰۲۴ء

[19]غلام مجتبیٰ قادری، نظریاتی محاذ اور علماء کی ذمہ داریاں، ہماری ویب، https://hamariweb.com/articles/151088، تاریخ استفادہ: ۲۹ اپریل ۲۰۲۴ء

[20]موجودہ دور کے فکری چیلنجز اور فضلاء کی ذمہ داری، سنی آنلائن، تاریخ اشاعت ۳۰ جنوری ۲۰۱۶ء، https://sunnionline.us/urdu/2016/01/6645/، تاریخ استفادہ: ۲۶ اپریل ۲۰۲۴ء

[21]ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، وجود باری تعالیٰ فلسفہ، سائنس اور مذہب کی روشنی میں، دار الفکر اسلامی، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۷

[22]محمد عارف اعظمی، سر سید کی تفسیر قرآن، معارف اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۱۹۲

[23]ذکی الرحمان غازی مدنی، معتزلہ اور حدیث نبوی، قرآن وحدیث ویب سائٹ، تاریخ اشاعت ۲۵ جنوری ۱۰۲۳ء، https://quranwahadith.com/mutazila-aur-hadees-e-nabwi-%D9%85%D8%B9%D8%AA%D8%B2%D9%84%DB%81-%D8%A7%D9%88%D8%B1-%D8%AD%D8%AF%DB%8C%D8%AB-%D9%86%D8%A8%D9%88%DB%8C/، تاریخ استفادہ: ۲۲ اپریل ۲۰۲۴ء

[24]عبد الرؤف ظفر، التحدیث فی علوم الحدیث، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۳۳

[25]صفی الرحمان، حجیت حدیث، مکتبہ التعاونی، ریاض، ۲۰۱۱ء، ص ۴۶

[26]ڈاکٹر خالد محمود، آثار الحدیث، دار المعارف، لاہور، ۲۰۱۸، ج۲، ص ۴۰۲

[27]مولانا عبد الرحمان کیلانی، آئینہ پرویزیت، مکتبہ السلام، لاہور، س۔ن، ص ۱۲۵

[28]آئینہ پرویزیت، ص ۱۲۸

[29]غلام احمد پرویز، معارف القرآن، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۶۰ء، ج۴، ص ۶۳۲

[30]رشید احمد، مفتی، فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری، ۱۹۸۲ء، ص ۸

[31]مولانا بدر عالم میرٹھی، ترجمان السنہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۶۸ء، ج۱، ص ۳۸

[32]مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۳ء ص ۱۷

[33]ڈاکٹر مصطفی السباعی، اسلام میں حدیث وسنت کا مقام (ترجمہ: السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی) مترجم: ڈاکٹر مولانا احمد حسن، مکتبہ بینات، ۲۰۲۱ء، کراچی، ج۱، ص ۱۲

[34]صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج: ۲۴۶ ۸

[35]عبد الماجد دریا آبادی، آپ بیتی، نامعلوم پبلشر، ۱۹۹۶ء، ۲۴۴

[36]مولانا گوہر رحمن، علوم القرآن، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۲۰۱۴ء، ص ۳۹۷

[37]حافظ محمد زبیر، غامدی صاحب کے اصولوں کا ایک تنقیدی جائزہ، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، ج۱۷، شمارہ۵، مئی ۲۰۰۶ء

[38]سید قطب، في ظلال القرآن، دار الشروق قاہرہ وبیروت، ۱۴۰۸ھ: ۱۸۱/۱

[39]ڈاکٹر زاہد مغل، مذہبی جدیدیت پسندی اور اس کی تین شکلیں، الحاد ڈاٹ کام، تاریخ اشاعت: ۲۶ ستمبر ۲۰۲۳ء، استفادہ: ۰۳: ۱۲ صبح، مورخہ ۲۸ اپریل ۲۰۲۴ء https://ilhaad.com/muslim-philosophy/challenges/islamic-modernism-variety/

[40]ڈاکٹر زاہد مغل، وحی اور عقل، چند قابل لحاظ پہلو، غامدی سنٹر آف اسلامک لرننگ، تاریخ اشاعت ۲۱ نومبر ۲۰۲۳ء، https://www.ghamidi.org/، تاریخ استفادہ: ۲۵ اپریل ۲۰۲۴

[41]مذہبی جدیدیت پسندی اور اس کی تین شکلیں، استفادہ: ۰۳: ۱۲ صبح، مورخہ ۲۸ اپریل ۲۰۲۴ء

[42]آئینہ پرویزیت، ص ۴۵۔۴۶